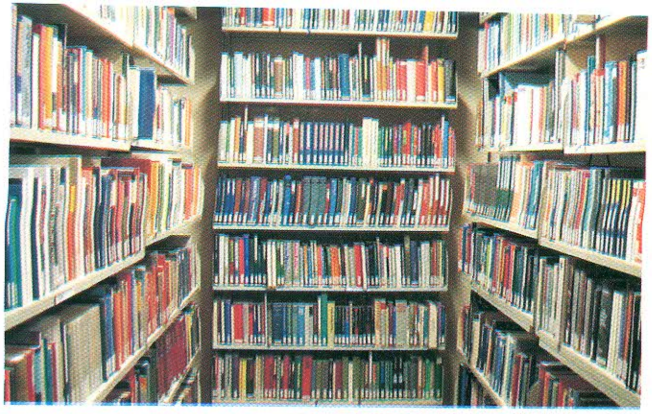

اسلام اور مغرب: چند اہم مغربی تصانیف

ڈاکٹر محسن مظفر نقوی

تاریخ عالم میں بہت سے واقعات ایسے رونما ہوئے ہیں، جنہوں نے تاریخ کا رخ تبدیل کر دیا اور جس ڈگر پر وہ چل رہی تھی، اس نے وہ راستہ تبدیل کر دیا۔ گزشتہ صدی میں پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) نے یورپ کی تاریخ کو متاثر کیا، پھر دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ء) نے اس نقشے کو تبدیل کیا جو "یورپ، ایشیاء اور افریقہ" کا مشترکہ سیاسی نقشہ کہا جاتا تھا اور یوں نئی سیاسی اور ریاستی اکائیوں کا دور شروع ہوا۔

اکیسویں صدی کی ابتداء ہی گویا ایک تاریخ ساز واقعے سے ہوئی، جسے دنیا ۹ ستمبر ۲۰۰۱ء (۹/۱۱) کے نام سے جانتی ہے۔ اس واقعے نے دنیا پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ ان اثرات کے بے شمار پہلو ہیں، جن کا احاطہ کرنا ممکن نہیں لیکن اس واقعے کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اسلامی دنیا اور غیر اسلامی دنیا کے فکری رجحانات، سیاسی اور معاشی تعلقات، تہذیبوں کے تصادم اور عدم تصادم اور ان تمام کے اسباب و علل اور مستقبل کے اندیشوں و خدشات پر اس دوران بہت کچھ لکھا گیا اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں کتابیں اور مضامین و مقالات

اکیسویں صدی کی ابتداء ایک تاریخ ساز واقعے سے ہوئی، جسے دنیا ۹/ستمبر ۲۰۰۱ء (۹/۱۱) کے نام سے جانتی ہے۔

شائع ہو چکے ہیں کہ لائبریری کی ایک الماری انہیں سے بھر سکتی ہے۔ ان تمام کتابوں کا نہ احاطہ ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب، آئندہ سطور میں ہماری کوشش ہوگی کہ چند منتخب اور ہمارے نقطہ نظر سے اہم کتابوں کے حوالے سے نو ستمبر کے بعد اسلام اور مغرب کی صورت حال پر کچھ تحریر کریں۔

جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء) کے بعد نو آبادیات پر استعماری قوتوں کی گرفت ڈھیلی پڑنی شروع ہوئی، تو ان نو آبادیات نے اپنی آزادی کی جدوجہد شروع کی۔ ان میں خاص طور پر وہ علاقے شامل تھے، جن کے لیے اب "اسلامی ممالک" یا "اسلامی دنیا" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ یہی دور کم و بیش ترکی میں انقلاب اور عملی طور پر خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کا ہے، جو بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے شروع میں وقوع پذیر ہوا۔ اس دور میں مسلمان نو آبادیوں میں آزادی کی تحریکوں کو "فلسفۂ جہاد" سے غذا ملی اور ہم اس دور کے مفکرین میں جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہ، حسن البنا اور سید قطب شہید کے نام نمایاں طور پر دیکھتے ہیں۔

روکزینے یوبن بطور اسسٹنٹ پروفیسر ویلیز لے کالج میں سیاسیات، سیاسی نظریات کا تقابلی مطالعہ اور خواتین سیاسی مفکرین کے نظریات پڑھاتی ہیں۔ ان کی کتاب "دشمن آئینے کے سامنے، اسلامی بنیاد پرستی اور موجودہ عقلیت پسندی کی حدود"

(Roxanne L. Euben: *Enemy in the Mirror: Islamic Fundamentalism and the Limits of Modern Rationalism* Princeton University Press, 1999)

بنیادی طور پر سید قطب، جمال الدین افغانی، محمد عبدہ اور امام خمینی کے نظریات کا مطالعہ ہے، جسے وہ اسلامی بنیاد پرستی سے تعبیر کرتی ہیں۔ اس کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ مصنفہ نے اسلام اور مسلم مفکرین کے نظریات کو "دشمن" کے نظریات کے طور پر مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب کے دوسرے باب (Projections and Reflections: Islamic Fundamentalism and Modern Rataionalist Discourse) میں مصنفہ نے اسلامی بنیاد پرستی کے بارے میں مسلمانوں کے نظریات اور ان کے نتیجے میں مسلمانوں کے تصورِ دنیا پر گفتگو کی ہے، بعد ازاں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کی دی ہوئی بنیاد پرستی کی وضاحت درست نہیں۔ دنیا کے تصور اور بنیاد پرستی میں جو قباحتیں موجود ہیں، اس کی بناء پر کتاب کی مصنفہ نے یہ بتایا ہے کہ عملی دنیا میں اس بنیاد پرستی کی ایک خاص شکل وجود میں آئی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے گروہوں کی اصلیت، عمر، پیشہ ورانہ صلاحیت، نظریاتی مقاصد وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے اور اس امر کو ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی تشریح "اسٹرکچر پریشر" کے جواب

میں ''میکانکی ردِعمل'' کے طور پر کی جا سکتی ہے اور اس کا کوئی خاص تعلق ''موروثی طاقت'' سے نہیں ہے۔

اس کتاب کے تیسرے باب میں سید قطب کے فلسفۂ سیاسی پر گفتگو ہے، جس میں اخلاقیات کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ مصنفہ کا خیال ہے کہ سید قطب کے نظریات موجودہ سیاسی اقتدار اعلیٰ کے تصور کو چیلنج کرنے اور ''بعد از روشن خیالی عہد'' (post-Enlightenment) میں پیدا ہونے والے سیاسی نظریات مارکسیت، آزاد خیالی (Liberalism) اور سوشلزم پر اخلاقی تنقید مہیا کرتے ہیں۔ سید قطبؒ کے نظریات میں سب سے اہم بات اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کا تصور ہے، جس نے پورے موجودہ نظامِ سیاسی کو ایک چیلنج دیا ہے۔ اس کتاب کی مصنفہ نے سید قطب کے نظریات کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کے ناقدین چارلس ٹیلر، الاسڈیر میک انٹائر، رابرٹ بلا، حنا آرینٹ، رچرڈ جان نیو ہاس اور دانیال بیل (Charles Taylor, Alasdair MacIntyre, Robert Bellah, Hannah Arendt, Richard John Neuhouse, Daniel Bell) وغیرہ کے افکار پر بھی بحث کی ہے اور ان نظریات کے تناظر میں سید قطبؒ کی ''دبیز تشریح'' کی کوشش کی ہے۔ اسلامی تحریکوں کا اصل اصول اللہ تعالیٰ کی سیاسی حاکمیت کا تصور ہے، جس کا نتیجہ دنیا میں اللہ کے سیاسی اقتدار کا قیام ہے، جو اسلام کے نفاذ سے ہی ممکن ہے۔ یہ وہ بنیادی نظریہ ہے جس پر الاخوان المسلمون، جماعت اسلامی، طالبان، القاعدہ سب ہی تحریکوں کی اساس ہے کہ اس دنیا پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی اس کی شریعت جاننے والوں کے ذریعے قائم کی جائے گی، جس کو ہر قیمت پر تمام ادیان پر غالب آنا ہے کیونکہ یہ اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ دیا ہے، خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ (سورۂ توبہ) پروفیسر یوبن (Euben) کی کتاب ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی اور اس نے اسلامی سیاسی نظام کو ''دشمن'' کے نظام کے طور پر پیش کیا۔

پروفیسر برنارڈ لوئیس (Bernard Lewis) کا نام پڑھے لکھے حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں، خاص طور پر مشرق وسطیٰ کے مطالعے میں انہیں خاص شہرت حاصل ہے۔ ۲۰۰۲ء میں ان کی کتاب ''کیا غلط ہوا: مغرب کا اثر اور مشرق وسطیٰ کا ردعمل'' (What Went Wrong: Westren Impact and Middle Eastern Response) شائع ہوئی۔ یہ کتاب بنیادی طور پر سات ابواب پر مشتمل ہے، جس میں مسلمانوں کے عروج کے بعد زوال، مغرب کے عروج کی وجوہ اور مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تجزیاتی نقطۂ نظر اپنایا گیا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں ایک باب نتیجے (Conclusion) پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا پیراگراف بہت اہم ہے، وہ لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی کے دوران مشرق وسطیٰ میں ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا میں یہ بات بالکل واضح ہوگئی تھی کہ معاملات واقعی بری شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ہزار سال پرانے حریف یعنی عیسائی دنیا کے مقابلے میں مسلم دنیا زیادہ غریب، کمزور اور جاہل ہو گئی ہے، انیسویں اور بیسویں صدیوں کے دوران مغرب کی اہمیت اور غلبہ ہر صاحبِ بصیرت پر عیاں تھا، جو ہر مسلمان کی عوامی زندگی اور زیادہ تکلیف دہ حد تک، ذاتی زندگیوں پر بھی حملہ آور تھا۔ (صفحہ ۱۵۱) برنارڈ لوئیس نے اپنی اس کتاب کے پہلے باب میں جنگوں کے اثرات کا، دوسرے باب میں دولت اور قوت کی پیاس کا، تیسرے باب میں سماجی اور ثقافتی رکاوٹوں کا، چوتھے باب میں جدیدیت اور سماجی عدل و مساوات کا، پانچویں باب میں لادینیت اور سول سوسائٹی کے کردار کا، چھٹے باب میں وقت، مکان اور جدیدیت کا، جب کہ ساتویں اور آخری باب میں ثقافتی تبدیلیوں کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ برنارڈ لوئیس نے اپنی اس کتاب میں جو بنیادی طور پر تین لیکچروں سے تیار کی گئی ہے، مسلمانوں کی معاشی کمزوری، عسکری کمزوری اور سیاسی کمزوری کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ ان تینوں میدانوں میں ان کی شکست اور عیسائی دنیا کی مضبوطی نے موجودہ حالات پیدا کیے ہیں۔ اس ضمن میں مسلمانوں کے شاندار ماضی کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جب مسلمان اس کے بعد معاشی، سیاسی اور عسکری کمزوریوں کا شکار ہوئے تو سوال اٹھا کہ ہماری اس حالت کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا ذمہ دار انہوں نے مغرب اور امریکہ کو قرار دیا اور یوں ایک بحران پیدا ہوا۔ برنارڈ لوئیس کے خیال میں مسلمانوں کی حالت کی ذمہ داری خود مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ اپنی اس کتاب میں ''تاریخی'' تجزیہ کرنے کے بعد اپنی دوسری کتاب ''اسلام کا بحران، مقدس جنگ اور غیر مقدس دہشت گردی'' (The Crisis of Islam: Holy War and Unholy Terror, 2003) میں برنارڈ لوئیس نے اسلامی دنیا کے علمی وفکری بحران پر بحث کی ہے۔ مسلمان ممالک کی کارکردگی پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مقام پر برنارڈ لوئیس نے لکھا ہے:

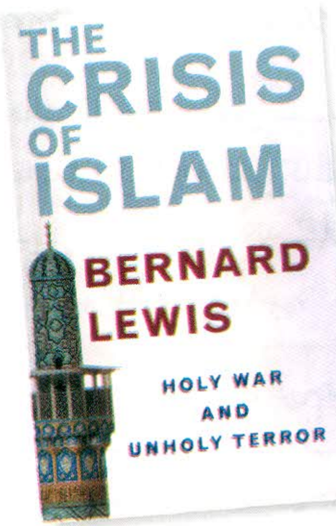

''مسلمان ممالک کی کارکردگی کی شماریات کو تقابلی بنیاد پر دیکھا جائے تو یہ کارکردگی تباہ کن ہے۔ ملکی پیداوار کے لحاظ سے سب سے اوپر ترکی ہے، جس کی آبادی چھ کروڑ چالیس لاکھ ہے، جس کا نمبر تیسواں ہے، جو

آسٹریلیا اور ڈنمارک کے درمیان ہے، جن میں سے ہر ایک کی آبادی پچاس لاکھ سے زائد نہیں ہے۔ اس کے بعد انڈونیشیا کا نمبر آتا ہے، جس کی آبادی ۲۱ کروڑ بیس لاکھ کے قریب ہے، اس کا نمبر ملکی پیداوار میں اٹھائیسواں ہے، جب کہ ناروے کا نمبر ۲۷ واں ہے اور اس کی آبادی پینتالیس لاکھ ہے، جب کہ سعودی عرب کا نمبر ۲۹ واں ہے اور اس کی آبادی دو کروڑ دس لاکھ ہے، قوتِ خرید کے لحاظ سے انڈونیشیا مسلمان ملکوں میں پہلا، جب کہ لسٹ میں پندرہویں نمبر پر ہے، اس کے بعد مصر کا نمبر آتا ہے۔ معیارِ زندگی کے اعتبار سے مسلم ممالک میں قطر پہلے نمبر پر ہے، جب کہ عالمی لسٹ میں یہ ۲۳ ویں نمبر پر ہے، متحدہ عرب امارات ۲۵ ویں نمبر پر اور کویت ۲۸ ویں نمبر پر ہے۔

کتابوں کی فروخت کے لحاظ سے صورت حال اور بھی زیادہ خراب ہے، پہلے ستائیس ملکوں کی فہرست امریکہ سے شروع ہوتی ہے اور ویت نام پر ختم ہوتی ہے، اس میں ایک بھی مسلمان ملک شامل نہیں ہے۔ عرب ہیومن ڈیولپمنٹ کی رپورٹ ۲۰۰۲ء کے مطابق عرب دنیا میں سالانہ ۳۳۰ کتابیں ترجمہ ہوتی ہیں، جب کہ صرف یونان میں اس سے پانچ گنا زائد کتابیں سالانہ ترجمہ ہوتی ہیں (یعنی ۱۶۵۰ کتابیں)۔ مامون رشید (۹ ویں صدی عیسوی) کے عہد سے اب تک ترجمہ ہونے والی کتابوں کا اندازہ دس لاکھ ہے، جب کہ اسپین میں ایک سال میں اتنی کتابیں ترجمہ ہوتی ہیں، تمام عرب ممالک کا سالانہ GDP ۵۳۱ء۲ بلین ڈالر تھا (۱۹۹۹ء) جب کہ صرف اسپین کا GDP ۵۹۵ء۵ بلین ڈالر تھا۔''

برنارڈ لوئیس نے اپنی اس کتاب میں چونکا دینے والے اعداد و شمار دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں اور اسلام کا بحران دراصل ان کا اندرونی علمی، فکری، معاشی اور سیاسی بحران ہے اور کیوں کہ مسلمان ممالک جدید علمی و سائنسی ترقی میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں لہٰذا اب وہ اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ان کے خیال میں سعودی حکومت اور وہابیت کا ملاپ (باب ۸، ۹) مسلمانوں میں موجودہ دہشت گرد عناصر کی پیدائش کا سبب بنا اور اس کا سدِباب خود مسلم ممالک اور قومیتوں کے لیے ضروری ہے۔

اسلام اور بیرونی دنیا کے درمیان تنازع، کشمکش، دہشت گردی کے خلاف جنگ، دہشت گردی یا جہاد اپنے اندر بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ ہم کسی ایک عامل کو اس صورت حال کا ذمہ دار نہیں قرار دے سکتے۔ آپ نے دیکھا کہ یوبن کی کتاب اسلام کے سیاسی نظریے کو حالات کا ذمہ دار قرار دیتی ہے، جب کہ برنارڈ لوئیس اپنی کتابوں میں مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں ایک تیسرا نقطۂ نظر بھی ہے، جس کا جائزہ ہم دو کتابوں کی مدد سے لیں گے۔

ان میں سے پہلی کتاب رچرڈ کلارک (Richard A. Clarke) کی ''تمام دشمنوں کے خلاف: دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کی اندرونی کہانی'' "Against All Enemies: Inside America's War on Terror" ہے مسٹر کلارک نے ۱۹۷۳ء میں سیکرٹری ڈیفنس کے آفس میں کام کرنے سے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ صدر کلنٹن نے مئی ۱۹۹۸ء میں انہیں قومی سلامتی کا پہلا کوآرڈینیٹر مقرر کیا۔ صدر بش کے دور میں بھی وہ اس عہدے پر برقرار رہے۔ ۲۰۰۳ء تک وہ سینئر ایگزیکٹو سروس کے کیریئر ممبر تھے، ۹/ستمبر کے واقعے کے وقت قوم کے کرائسس منیجر تھے اور Situation Room ان کے کنٹرول میں تھا۔ ان کا پورا کیریئر ملٹری اور سول سروس اور انٹیلی جنس کے شعبوں سے متعلق رہا ہے۔ گیارہ ابواب پر مشتمل یہ کتاب Free Press نے ۲۰۰۴ء میں شائع کی۔ اس کتاب کے دوسرے باب میں مصنف نے بتایا ہے کہ امریکہ کس طرح اسلامی دنیا میں وارد ہوا اور اس کے پس پشت کیا عوامل تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ۱۹۷۴ء میں عربوں نے امریکہ کے لیے تیل کی فراہمی پر پابندی لگائی، تو امریکہ نے اس حقیقت کا ادراک کیا کہ خلیج کے وسائل اس کے لیے کتنے اہم ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں امریکہ کے سب سے بڑے حلیف رضا شاہ پہلوی کو اسلام پسندوں نے ہٹا کر اپنی حکومت قائم کر لی (انقلاب ایران) پھر کرسمس کے دن روس نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ رضا شاہ پہلوی نے خلیج میں امریکہ کے لیے دو اہم کام کیے تھے (۱) عرب بائیکاٹ کے باوجود امریکہ کو تیل کی فراہمی یقینی بنانا (۲) شاہ نے امریکہ کو یقین دلایا کہ تیل کی دولت کے ذریعے وہ روس کے جنوبی علاقے پر جرمنی جیسی مضبوط فوج قائم کر لے گا۔ کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ روس کے ساتھ سرد جنگ اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کئی مماثلتیں ہیں: (۱) دونوں تنازعات عالمی سطح کے ہیں، جن میں علاقائی جنگیں، خفیہ سیل اور متنازع نظریہ ہائے حیات موجود ہیں (۲) دونوں میں ہمارے شہروں کو وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا سامنا ہے۔ (۳) دونوں صورتوں میں ہمارے مخالفین اپنے نظریے کو پوری دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

> سید قطبؒ کے نظریات میں سب سے اہم بات اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کا تصور ہے جس نے پورے موجودہ نظامِ سیاسی کو ایک چیلنج دیا ہے۔

فاضل مصنف نے اس سلسلے میں امریکی صدر اور انتظامیہ کی تین ترجیحات بیان کی ہیں: (۱) اپنے ملک کو دہشت گردی سے محفوظ رکھنا اور سرزمین کا دفاع کرنا (۲) القاعدہ کے فلسفے کو رد کرنے اور روکنے کے لیے مسلم قوتوں سے شراکت کرنا تاکہ ''اصلی اسلام'' کو فروغ دیا جائے، عام امریکی اور اسلامی اقدار کے لیے حمایت حاصل کی جائے اور عام طور پر پائی جانے والی بنیاد پرستی کے متبادل فلسفہ تشکیل دیا جائے۔ (۳) اس ضمن میں فعال ممالک کے ساتھ تعاقب کیا جائے، نہ صرف

دہشت گردوں کو گھیرنے اور ان کے مقدس مقامات، نیز ان کے فنڈز کو ختم کرنے کے لیے بلکہ ''اوپن گورنمنٹس'' کو مضبوط کرنے اور انہیں سیاسی، معاشی اور معاشرتی طور پر اتنا مضبوط کرنے کے لیے کہ وہ القاعدہ اور ایسی ہی دوسری دہشت گرد تنظیموں کی جڑوں تک پہنچ کر انہیں ختم کرسکیں۔ یہ کتاب یقیناً امریکہ اور یورپ کی دہشت گردی کے خلاف مشترکہ جنگ کو سمجھنے کے لیے اہم ہے۔ اہم ترین بات اس ضمن میں یہ ہے کہ کتاب کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ دراصل یہ جنگ خلیج اور ملحقہ علاقوں میں امریکی معاشی مفادات کی جنگ ہے۔

اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف مزعومہ جنگ دراصل خلیج میں موجود تیل کے لیے جنگ ہے نیز یہ کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ کو ایک ''دشمن'' کی تلاش تھی، جس کی بناء پر وہ نہ صرف یہ کہ اس علاقے میں موجود رہے بلکہ خود امریکیوں کو بھی متحد رکھے۔ وہ ''دشمن'' اس نے ''مسلمان دہشت گردوں'' کے روپ میں مہیا کرلیا۔ اس امر پر ایک اور اہم کتاب میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور شماریاتی حقائق کی مدد سے اسے ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جان بلیمی فوسٹر اور رابرٹ میک چزنی نے مرتب کی ہے (Pax Americana: *Exposing the American Empire*, ed John Bellamy Foster and Robert W. Mc Chesney 2004) سولہ ابواب پر مشتمل یہ کتاب مکمل طور پر یہ ثابت کرتی ہے، جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ اور گلوبلائزیشن وغیرہ کے تصورات دراصل امریکی امپائر بنانے کی سازش ہے، جو خلیج کے ممالک اور دیگر ترقی پذیر ممالک پر اپنا تسلط قائم کر کے امریکہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ نے دنیا کے مختلف ممالک میں جو بڑی بڑی کارروائیاں کی ہیں اور جنگوں میں ملوث رہا ہے ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

چین (۱۹۴۵ء) یونان (۱۹۴۷-۴۹ء) کوریا (۱۹۵۰-۱۹۵۳ء) ایران (۱۹۵۳ء) گوئٹے مالا (۱۹۵۴ء) ہند چینی (۱۹۶۵ء) لبنان (۱۹۵۸ء) کانگو (۱۹۶۴ء) کیوبا (۱۹۶۱ء) انڈونیشیا (۱۹۶۵ء) ڈومینکن ریپبلک (۱۹۶۵-۶۶ء) چلی (۱۹۷۳ء) انگولا (۱۹۷۶-۱۹۹۲ء) لبنان (۱۹۸۲-۸۴ء) گریناڈا (۱۹۸۳-۱۹۸۴ء) افغانستان (۱۹۷۹-۸۹ء) ایل سلواڈور (۱۹۸۱-۹۲ء) نکاراگوا (۱۹۸۱-۹۰ء) پاناما (۱۹۸۹-۹۰ء) عراق (۱۹۹۱ء) صومالیہ (۱۹۹۲-۹۴ء) ہیٹی (۱۹۹۴ء) بوسنیا (۱۹۹۵ء) یوگوسلاویہ (۱۹۹۹ء) افغانستان (۲۰۰۱ء) اور عراق (۲۰۰۳ء)۔ اس کتاب (Pax Americana) میں تفصیلی مضامین کے ذریعہ یہ بات تقریباً ثابت کردی گئی ہے کہ امریکہ اور یورپ کا اصل مقصد خلیج اور مشرقِ وسطیٰ کی دولت پر قبضہ کرکے دنیا کو خاص کر مسلم ممالک کو دوبارہ سیاسی اور اقتصادی نوآبادیوں میں تبدیل کرنا ہے۔ لہذا حکمتِ عملی یہ اختیار کی گئی کہ مسلمانوں میں دہشت گردوں کو مشخص کیا جائے اور اس حیلے کے تحت مسلمان ریاستوں پر اپنا سیاسی اور اقتصادی تسلط قائم کیا جائے۔ اس امر کا بھرپور جائزہ ایک اور اہم کتاب ''نئی صلیبی جنگیں: مسلمانوں کو دشمن بنانے کا عمل'' تالیف عمران قریشی اور مائیکل اے سیل۔

(*The New Crusades, Constructing the Muslim Enemy*, ed: Emran Qurashi and Michael A Sell. Oxford University Press. 2005, Columbia University Press:2003) میں لیا گیا ہے۔ گیارہ ابواب پر مشتمل یہ کتاب انتہائی عالمانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ان مضامین میں اسلام کے بارے میں یورپ کے خیالات اور بعض بنیادی غلط فہمیوں پر علمی اور تجزیاتی گفتگو کی گئی ہے اور انہیں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے، خاص طور پر وہ نظریات زیر بحث آئے ہیں، جن کی بنیاد پر مسلمانوں کو مغرب کا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایوانہائے حکومت میں پرورش پانے والی بنیاد پرستی اور آزاد جمہوریت کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ سیموئیل ہنٹنگٹن کے فلسفۂ تہذیبوں کے تصادم پر بھی

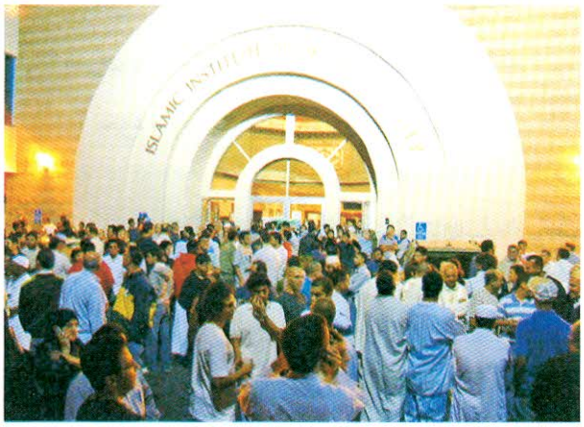

اچھے مضامین ہیں، جو اس فلسفے کا پس منظر، پیش منظر اور پھر اس پر تنقید پیش کرتے ہیں۔ فرانسس فوکویاما کے نظریے The End of History کو تہذیبوں کے تصادم کے ساتھ رکھ کر مطالعہ کیا گیا ہے، ساتھ ساتھ دنیا کے مختلف ممالک اور قوموں میں اسلام سے خوف کے بارے میں بھی اہم گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کا لب لباب یہ ہے کہ مسلمان دراصل مغرب کے دشمن نہیں ہیں، بلکہ یہ مغرب ہے، جس نے انہیں اپنا دشمن قرار دے لیا ہے اور اس کی آڑ میں مسلمانوں سے برسرپیکار ہے۔

مسلمانوں اور غیر مسلم طاقتوں کے درمیان موجودہ کشمکش کے مختلف پہلوؤں اور زاویوں پر ہم نے چند کتابوں کے حوالے سے مختصراً گفتگو کی ہے تاکہ قارئین کسی نتیجے پر پہنچنے اور مستقبل کے لیے اپنی رائے سازی کے لیے اگر چاہیں تو ان کتابوں کا مطالعہ کرسکیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم طاقتیں ترقی پذیر ممالک خاص کر مسلم ممالک کو اپنی سیاسی اور معاشی نوآبادیوں میں تبدیل کرنا چاہتی ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ معاشی وسائل پر قابض ہوسکیں۔ ایک اور اہم امریکی مصنف تھامس، پی ایم بارنٹ Thomas P.M.Barnett امریکی دفاعی پالیسی اور جنگی حکمت عملی کے پروفیسر اور تجزیہ کار کی

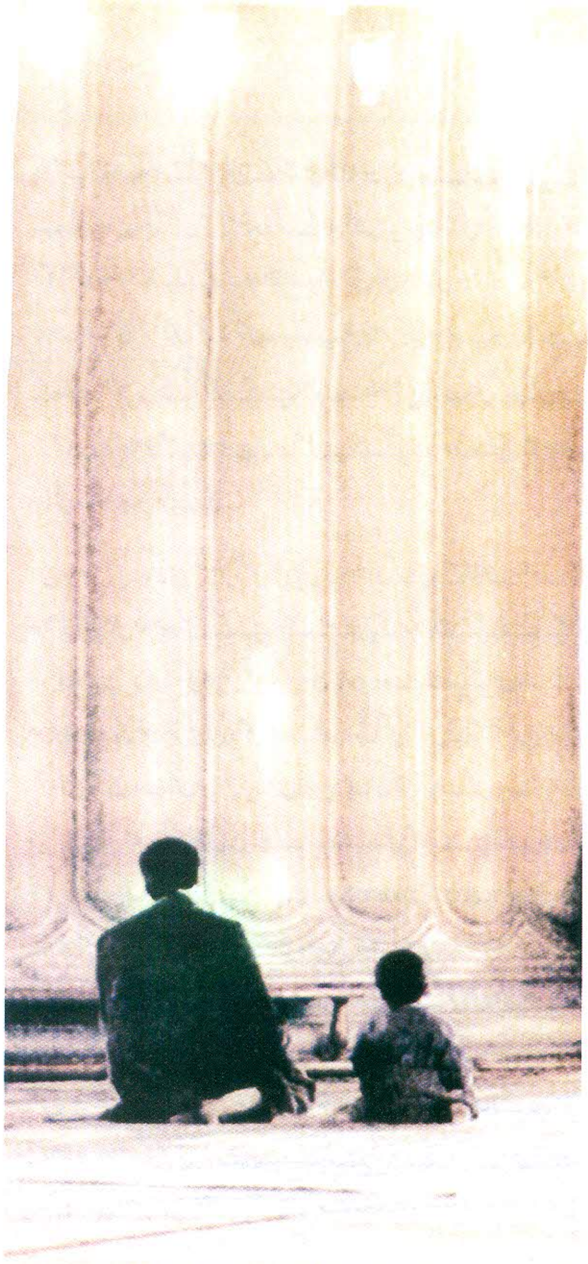

امریکا کی ایک مسجد میں ایک مسلمان باپ اپنے بیٹے کے ساتھ۔ اسلامی میراث کی ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقلی کا یہ کام مغرب کے ہر شہر میں جاری ہے، اور اس ضرورت کے لیے بہت سے مراکز کام کر رہے ہیں۔

حیثیت سے اہم ترین مناصب پر فائز رہے ہیں۔ امریکہ کے منصوبوں پر انہوں نے اپنی اہم کتاب (*The Pentagon's New Map: War and Peace in the Twenty First Century*, G.P. Putman's sons New York 2003,2006) ''پینٹاگون کا تیار کردہ نیا نقشہ، اکیسویں صدی میں جنگ اور امن کی صورت حال'' میں گفتگو کی ہے۔ اس کتاب میں بنیادی طور پر امریکہ کی گلوبلائزیشن کی پالیسی، دفاعی ضرورتوں اور حکمت عملی پر گفتگو کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مستقبل میں مغرب اور امریکہ مل کر دنیا کے نقشے کو کیا شکل دینے جارہے ہیں اور اس کے لیے

دہشت گردی کے خلاف جنگ دراصل خلیج میں موجود تیل کے لیے جنگ ہے نیز یہ کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ کو ایک ''دشمن'' کی تلاش تھی، جس کی بناء پر وہ نہ صرف یہ کہ اس علاقے میں موجود رہے بلکہ خود امریکیوں کو بھی متحد رکھے۔

انہیں کیا کیا کرنا پڑے گا۔ آٹھ ابواب پر مشتمل یہ کتاب ''دنیا چلانے والوں'' کے لیے پہلے ایک ''سیاسی و دفاعی'' تجزیہ پیش کرتی ہے اور پھر ''سیاسی و دفاعی'' حکمت عملی پیش کرتی ہے۔ پہلے باب میں مصنف نے نئے نظام اور نئے دور کے لیے نئے قواعد متعارف کروائے ہیں۔ دوسرے باب میں ان امور پر توجہ دی ہے، جو امریکی حکمت عملی میں کم اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ تیسرا باب مختلف قوتوں کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اگر وہ نئے عالمی نظام سے کٹ کر رہے، تو یہ ان کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ چوتھا باب حکمتِ عملی میں لوگوں اور ان کی جان لینے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، یعنی کس کے تیل کے لیے کس کا خون چاہیے؟ پانچواں باب اہداف کے تحت نئے نظام کی تشکیل، جب کہ چھٹا باب عالمی سطح پر اسلحے کی ترسیل اور فروخت نیز اس کے لیے اپنائی جانے والی حکمت عملی سے بحث کرتا ہے۔ ساتواں باب ان ''تصورات اور نظریات'' کے بارے میں ہے، جو امریکہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دنیا میں پیدا کرتا ہے مثلاً عالمی عدم تیقن کا ہوا کھڑا کرنا، امریکہ کا دنیا کے لیے ماڈل ہونا اور پوری دنیا پر امریکی تسلط کا تاثر، امریکن ایمپائر کا بھوت وغیرہ وغیرہ۔ آٹھواں اور آخری باب ان امیدوں کے بیان پر مشتمل ہے، جن کا پورا ہونا ابھی غیر یقینی ہے۔ اس باب میں کچھ اہم تجاویز بھی دی گئی ہیں، جن کے ذریعے غیر مسلم طاقتوں کے خواب پورے ہوسکتے ہیں۔

اس مختصر مضمون میں ہم نے سینکڑوں کتابوں میں سے چند کو منتخب کر کے ''مسلم دنیا اور مغرب کی کشمکش'' کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مقصد قارئین کی آراء سازی نہیں ہے، بلکہ دعوتِ مطالعہ و غور و فکر ہے۔

ڈاکٹر محسن مظفر نقوی اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن ہیں۔